۲۲

(فرمودہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۴ء بمقام باغ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان)

عید الضحیٰ اپنے نام سے ہی قربانی چاہتی ہے۔ قربانی کے متعلق ایک بات یاد رکھنے والی ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی اپنے نتائج کے مطابق اور اپنے احساس کے مطابق ہوا کرتی ہے جتنی جتنی حس کم ہوتی چلی جائے اتنی ہی قربانی کی قیمت گرتی جاتی ہے اور جتنی جتنی حس زیادہ ہوتی جائے اتنی ہی قیمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ عوام کی نیکیاں خواص کی بدیاں ہوتی ہیں۔ ایک ایسا انسان جس کے دل کی حالت نہایت ہی تنگ ہے اور جس کے دل پر بخل نے قبضہ کر رکھا ہے اگر وہ دین کی خاطر قربانی کرتا ہے۔ ایک تھوڑی سی قربانی جو دوسروں کی نگاہ میں بالکل حقیر ہے مگر اس کا دل اسی سے خون ہوا جاتا ہے وہ اسے آفت سمجھتا ہے اور وہ بھی اسے پہاڑ نظر آتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے ایسے شخص کی قربانی یقیناً اسی کے طبقہ کے دوسرے آدمیوں کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ بعض لوگ لاابالی ہوتے ہیں مسرف ہوتے ہیں اور روپیہ کی قدر ان کے نزدیک کوئی نہیں ہوتی وہ جو کماتے ہیں اس سے زیادہ خرچ کر دیتے ہیں۔ ایسا آدمی اگر دین کے رستہ میں بھی بڑھ چڑھ کر خرچ کر دے تو گو دنیا کے نزدیک اس کی قربانی بڑی ہو، مگر خدا کے ہاں اس کے دل کی حالت کے مطابق ہی اس کی قیمت ہوگی۔ چونکہ عام حالات میں بھی وہ اسراف سے ہی کام لیتا ہے اس لئے اگرچہ وہ دین کے معاملہ میں بھی اپنے بھائی سے زیادہ دیتا ہے پھر بھی اس کے دل کی حالت اور اس کی نگاہ میں روپیہ کی قدر و قیمت کا موازنہ کر کے ہی اللہ تعالیٰ بھی اس کا بدلہ دیگا۔ اس نے اگرچہ زیادہ قربانی کی۔ اور دوسرے سے زیادہ رقم دی مگر یہ رقم کی زیادتی اس نے دین کے بارہ میں ہی نہیں کی بلکہ دنیا کے کاموں کہ لہو و لعب میں بھی وہ ایسا ہی کرنے کا عادی ہے۔ مگر جو شخص دنیوی معاملات میں بھی اپنے اوپر تنگی برداشت کرتا ہے بلکہ ضرورتِ حقہ کو بھی پورا نہیں کرتا وہ اگر اتنی ہی رقم خدا کے رستہ میں دیدے جتنی ایک مسرف نے دی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت زیادہ قیمت پائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے احساسات کو قربان کر دیا۔ اسی طرح ایک شخص جماعت میں نیا داخل ہوا ہے اور قربانی کے صحیح معنوں سے آگاہ نہیں وہ اپنے ایمان کے مطابق قربانی کرتا ہے۔ اور اپنے نفس میں خیال کرتا ہے کہ میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا ہے۔ مگر ایک پرانا احمدی ہے جو قربانی کا

عادی ہو چکا ہے تو اللہ تعالےٰ کے ہاں ان دونوں کو ان کی قلبی کیفیات اور احساسات کے مطابق بدلہ ملے گا۔ نئے احمدی کی تھوڑی قربانی کی قیمت پرانے کی زیادہ قربانی سے زیادہ ہوگی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ دوزخی جب ایک عرصہ تک عذاب اُٹھالیں گے تو پھر ہم ان کی جلدیں تبدیل کر دیں گے۔ کیونکہ جتنی جتنی کسی چیز کی عادت ہو جائے اس کے متعلق حس اتنی ہی کم ہو جاتی ہے۔ باورچی خانے میں کام کرنے والے لوگ بڑی آسانی سے جلتی ہوئی دیگچی اُٹھا لیتے ہیں لیکن ہم اگر اس سے آدھی گرم کو بھی ہاتھ لگائیں تو ہاتھ جل جائے۔ بعض لوگ گرم چائے پینے کے عادی ہوتے ہیں اتنی تیز کہ دوسرے اسے منہ کے قریب بھی نہ لا سکیں۔ اس کے متعلق مجھے ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا۔ ۱۹۱۸ء میں جب مَیں بیمار ہوا۔ تو حکیم غلام محمد صاحبؓ جو حضرت خلیفہ اوّلؓ کے شاگرد اور آپ کے مطب میں کام کیا کرتے تھے وہ اکثر میرے پاس ہی رہا کرتے تھے کیونکہ بیماری کی شدت تھی، وہ رات کو بھی وہیں سو رہتے۔ اسی طرح عبدالاحد خاں پٹھانؓ بھی وہیں رہتے تھے۔ ایک دن یونہی ذکر آیا کہ کشمیری اور پٹھان دونوں بہت گرم چائے پینے کے عادی ہوتے ہیں اور یہ سوال پیدا ہو گیا کہ دونوں میں سے کون زیادہ گرم پی سکتا ہے۔ حکیم صاحب کہتے تھے کہ کشمیری بہت زیادہ گرم پی لیتے ہیں اور عبدالاحد خان کہتے تھے کہ پٹھان۔ بالآخر تجویز ہوئی کہ دونوں کو اُبلتی ہوئی چائے کی ایک ایک پیالی دی جائے۔ اور دیکھا جائے کہ کون جلدی ختم کرتا ہے۔ چنانچہ دونوں کو پیالیاں دی گئیں اور پینے لگے۔ حکیم صاحب پیالی کو منہ کے پاس لے جاتے اور جس طرح کوئی چیز انڈیلتا ہے اس طرح کرتے۔ مَیں سمجھ رہا تھا کہ بھلا اتنی تیز گرم اس طرح کہاں پی جا سکتی ہے۔ یہ عبدالاحد سے صرف مذاق کر رہے ہیں۔ لیکن چند بار ایسا کرنے کے بعد جب انہوں نے پیالی رکھی تو وہ بالکل خالی تھی۔ اور عبدالاحد نے اس وقت تک ابھی پیالی کا چوتھائی حصہ بھی ختم نہ کیا تھا۔ میرے واہمہ میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ اتنی تیز گرم چائے منہ کے پاس بھی لے جائی جا سکتی ہے۔ مگر یہ عادت کی بات ہے۔ اب اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو مَیں سمجھتا ہوں وہ لوگ جو اس کے عادی نہیں، بہت زیادہ ثواب پاتے بہ نسبت ان لوگوں کے جنہیں کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔ کہ یہ گرم ہے کیونکہ قربانی اور اس کی قیمت احساس کے مطابق ہوتی ہے جس طرح دوزخ میں جلدیں بدلی جائیں گی تا عذاب کا احساس ہو اسی طرح نیکی کا بھی حال ہے۔ اس میں بھی درجہ بدلنا پڑتا ہے ورنہ انسان کی نیکی نیکی نہیں رہتی۔ جب ایک نیکی کی عادت ہو جائے تو اس کا اتنا ثواب نہیں رہتا جب تک اس میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نیکیوں کے مدارج مقرر کئے ہیں۔ نماز کے فرض مقرر کئے مگر اس کے ساتھ نوافل اور سنتیں بھی لگا دیں۔ اب ایک شخص خیال

کر سکتا ہے کہ جب فرض موجود ہیں تو پھر سنتوں اور نوافل کی کیا ضرورت تھی۔ اس میں یہی حکمت ہے کہ جب فرائض کی عادت ہو جائے تو مزید ترقی کے لئے رستہ کھلا رہے اللہ تعالیٰ نے نماز کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا، مثلاً یہ نہیں کہا کہ ظہر کی نماز چار یکگرہ منٹ پر ادا کی جائے اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ اگر کوئی خلوصِ دل سے چاہے تو اس میں زیادتی کر سکے۔ پھر نماز میں توجہ کی بھی کوئی حد نہیں رکھی۔ وگرنہ نچلے درجہ کے لوگ محروم رہ جاتے ایک شخص معمولی سی توجہ سے زیادہ فائدہ اٹھا لیتا ہے مگر دوسرا اتنا نہیں اُٹھا سکتا جب تک پوری توجہ سے کام نہ لے۔ یہی حال صدقہ و خیرات کا ہے۔ ایک طرف زکوٰۃ رکھدی جس کی حدبندی کر دی مگر صدقہ و خیرات کی کوئی حد نہیں رکھی یعنی زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقہ رکھا تا انسان جب زکوٰۃ کا عادی ہو جائے تو اس میں ترقی کر سکے۔ روزوں کا بھی یہی حال ہے رمضان کے روزے فرض کئے مگر ساتھ نفلی روزے بھی رکھے گویا ہر بات میں ترقی کی گنجائش رکھی تا جوں جوں ایک نیکی کی عادت ہوتی جائے اس میں اضافہ اور ترقی کی جا سکے۔

غرض شریعت نے احساس اور عادت پر بنیاد رکھی، چیز پر نہیں۔ یہ نہیں کہ دس روپے دینے والا نو روپے دینے والے سے اچھا ہے۔ بلکہ احساس کے لحاظ سے ممکن ہے کہ ایک روپیہ دینے والا نو روپے دینے والے سے اچھا ہو۔ ایک تنگ دل آٹھ آنہ دیتا ہے مگر اسے بھی ایک بڑی چیز خیال کرتا ہے لیکن دوسرا جو مُسرف ہے وہ دس روپے دے دیتا ہے لیکن اس کے دل میں اس کا قطعاً کوئی احساس تک نہیں ہوتا۔ اس سے اس کنجوس کی ایک روپیہ کی قربانی جسے کرتے ہوئے اس کی جان نکلتی ہے زیادہ قیمتی ہے۔ مَیں نے پہلے بھی ایک واقعہ سُنایا ہے جو میرے ایک عزیز سُنایا کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے طالب علم کے ساتھ مل کر رہا کرتے تھے جو احمدی ہے۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ وہ بہت افسردہ خاطر بیٹھا ہے۔ دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ امتحان سر پر ہے مگر آج مَیں نے ٹھیک طور پر پڑھا نہیں اور بہت سا وقت ضائع کر دیا ہے اس لئے میں نے اپنے آپ پر دو آنے جرمانہ کیا ہے انہوں نے پوچھا کہ کیا دو آنے کسی فقیر کو دیدیئے۔ کہنے لگے کہ نہیں اگر کسی فقیر کو دے سکتا۔ تو خوشی نہ ہوتی۔ انہوں نے پوچھا کہ پھر کس طرح جرمانہ کیا۔ اس نے جواب دیا کہ دو آنہ کی ریوڑیاں لے کر کھالی ہیں۔

اب بعض طبائع روپیہ کی اتنی قدر کرتی ہیں کہ اپنی جان کے لئے بھی پیسہ خرچ کرنا پسند نہیں کرتیں اور سوائے اشد ضرورت کے کہیں خرچ نہیں کرتیں۔ ایسا شخص اگر دو آنہ بھی دیتا ہے تو وہ بہت قابلِ قدر ہیں۔ لیکن جس شخص کے دل میں روپیہ کی قدر ہی نہیں اس کا ثواب بھی کم ہوگا۔ اس گُر کے مطابق مومن کو ہمیشہ نیکی میں ترقی کرنی چاہیئے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جس نیکی کی عادت ہو جائے

اس کا ثواب بھی کم ہوجاتا ہے اور وہ اسی صورت میں مفید ہوسکتی ہے جب عادت سے زیادہ کی جائے۔ پس مومن کا ہر دن ایمان اور قربانی اور احساس کے لحاظ سے پہلے سے زیادہ مضبوط ہونا چاہیئے۔ کیونکہ لازمی بات ہے کہ ہر قدم پر عادت ہوگی اور اس طرح ہر قدم پہلے سے زیادہ اٹھانا پڑے گا یہی چیز ہے جس سے قرب الٰہی حاصل ہوسکتا ہے۔ مومن کسی ایک جگہ کھڑا نہیں ہوسکتا اگر کھڑا ہوجائے گا تو اس کی قربانی ہیچ ہوجائے گی۔ اسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن نوافل کے ذریعہ قرب الٰہی میں ترقی کرتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے اور اس کے پاؤں ہوجاتا ہے اور اگر وہ اس کی طرف ایک قدم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی طرف دو قدم اُٹھاتا ہے حتیٰ کہ اس کا وجود خدا کا وجود ہوجاتا ہے[۳]۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ نوافل کے ذریعہ ترقی غیر محدود ہوتی ہے تو یہ عید اضحیٰ ہے۔ اور ہمیں قربانی کی طرف توجہ دلاتی ہے اور قربانی بھی احساس والی۔

دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے لئے قربانی کرنی چاہی اور اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ اوّل تو منشاء الٰہی یہ نہ تھا۔ ان کے رؤیا کی تعبیر یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں چھوڑ آئیں تا اس کی نسل دینِ الٰہی کی حامل رہے مگر آپ نے اس رؤیا کو ظاہری رنگ میں پورا کرنے کی کوشش کی اور خدا نے الہام کے ذریعہ اس سے روک دیا[۴] لیکن محض اس قربانی کے ارادہ کرنے کے صلہ میں اللہ تعالےٰ نے ہمیشہ کے لئے اس کی یادگار قائم کردی۔ اس کے برعکس ہندوؤں میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو عملاً اپنی اولادوں کو دیوی دیوتاؤں پر قربان کر دیتے ہیں[۵]۔ اگرچہ انگریزی حکومت نے قانوناً اس کی ممانعت کر رکھی ہے[۶]۔ پھر بھی سینکڑوں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں مگر ان قربانیوں کا ذکر عزت سے کرنے کی بجائے ہم ذلت سے کرتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ کیسے بیوقوف ہیں مگر ایسا ہی ایک فعل ابراہیمؑ نے کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی ہم اتنی تعریف کرتے ہیں۔ سوچنا چاہیئے ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ ان میں ایک فرق تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فعل اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت کیا تھا اور یہ لوگ جہالت سے غیر ضروری موقعہ پر کرتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ باوجود قربان نہ کرسکنے کے حضرت ابراہیمؑ کے فعل کی عظمت ہمارے نزدیک اس وجہ سے ہے کہ ابراہیمی احساسات بہت بڑھے ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں آپ کے متعلق اوّاہ حلیم[۷] کے لفظ آتے ہیں۔ یعنی اس کا دل پگھلا ہوا تھا خالص آہیں بنا ہوا تھا۔ جس طرح اُبلتے اور کھولتے ہوئے پانی سے گیس نکلتی ہے اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کا دل اللہ تعالےٰ کے سامنے ایسا جھکا ہوا تھا کہ ہوا بن بن کر اُڑ رہا تھا۔ احساسات کی نرمی ایسی تھی کہ دنیا میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے

ایسے انسان سے تو معمولی تکلیف بھی برداشت نہیں ہو سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی قربانی اس سنگدل کے مقابلہ میں جسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا بہت زیادہ قیمت رکھتی ہے مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ ایک نواب کا قصہ سنایا کرتے ہیں جن کی اولاد اب احمدی ہو چکی ہے۔ وہ پہلے نواب تھے مگر کشمیر کے راجہ نے انہیں شکست دیدی تھی وہ بہت خوبصورت انسان تھے ایک دفعہ ان کے ہاتھ کی ہڈی کسی طرح ٹوٹ گئی جو بعد میں جڑ گئی تھی۔ ایک دن وہ راجہ کے دربار میں بیٹھے تھے۔ راجہ نے کہا کہ نواب صاحب جوڑنے والا اچھا ماہر نہ ہوگا کیونکہ کچھ نقص رہ گیا ہے۔ اگر آپ اس شخص سے جڑواتے جو ہم نے اس غرض کے لئے ملازم رکھا ہوا ہے تو بہت اچھا جوڑ لگتا۔ اور آپ کی خوبصورتی میں اس قدر نقص بھی نہ آتا۔ اس پر انہوں نے بازو کو پاؤں کے نیچے دبایا اور کڑاک کر کے اسے توڑ دیا اور کہا لیجئے اب اپنے آدمی سے جڑوا دیجئے۔ تو ایک ایسے انسان بھی ہوتے ہیں۔ مگر دوسری طرف بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی حس بہت تیز ہوتی ہے اور وہ معمولی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک واقعہ مجھے یاد آگیا ہے۔ ہم چھوٹے تھے ایک دن مرغی ذبح کرنی تھی۔ اور ڈیوڑھی پر اس وقت کوئی آدمی نہ تھا کوئی مہمان آئے ہوئے تھے اور جلدی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ لاؤ میں ذبح کرتا ہوں۔ مرغی کو لٹا کر آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور چھری پھیر دی۔ مگر جب اس خیال سے کہ اب ذبح ہو چکی ہوگی اسے چھوڑا تو مرغی اٹھ کر بھاگ گئی اور آپ کی انگلی سے خون بہہ رہا تھا۔ تو ایک حس یہ ہے کہ مرغی کو ذبح کرتے وقت بھی ایک رعب دل پر پڑ جاتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایک جان خواہ جائز ہی سہی لے رہے ہیں۔ ایسے احساس والا اگر کوئی جسمانی قربانی کرتا ہے تو اس کی قیمت اس شخص کی قربانی سے جو خود پاؤں کے نیچے دبا کر اپنی ہڈی توڑ سکتا ہے بہت زیادہ قیمت ہوگی اور دونوں میں یقیناً بہت بڑا فرق ہوگا۔ تو قربانی کی قیمت احساس کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ بعض کی قربانی کم ہے اور بعض کی زیادہ۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض صحابہ کو یہ شک ہوا کہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کا لحاظ زیادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ قربانی کے لحاظ سے ہم بھی آپ سے کم نہیں ہیں۔ گو یہ بات بھی غلط تھی مگر جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ ظاہری نمازوں پر نہ جاؤ۔ ابوبکر کی قیمت اس کی ظاہری نمازوں اور رکعتوں کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس کے دل کی حالت پر ہے۔ دلی احساس سے ایک شخص ایک دفعہ سبحان اللہ کہتا ہے مگر دوسرا ۲۵ مرتبہ کہتا ہے مگر محض زبان سے اس کے دل میں اس کا کوئی احساس بھی نہیں ہوتا تو گو بظاہر اس نے زیادہ عبادت کی مگر اللہ تعالیٰ

کے ہاں دل سے ایک بار کہنے والے کا درجہ زیادہ ہوگا۔ بعض لوگوں کے دل کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایک بار کہتا ہے مگر جیسے بتاشہ توڑ دیا جاتا ہے اسی طرح اس کے دل کی کیفیت ہوجاتی ہے اس کا ایک دفعہ کہنا دوسرے کے ہزار دفعہ کہنے سے بھی زیادہ ہے۔ میں علمی طور پر دوسروں کے متعلق اور اپنے تجربہ کی بناء پر اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ بعض دفعہ دس میں دفعہ کی تسبیح سے اتنا اثر نہیں ہوتا اور بعض دفعہ ایک بار سے ہی بہت زیادہ ہوجاتا ہے۔ تو یہ دل کی کیفیات ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے یاد ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد آپ نے مسجد میں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ مجلس دینی اور رُوحانی لحاظ سے بہت مفید ہوتی تھی۔ اس لئے کسی نے عرض کیا کہ آپ بیٹھتے کیوں نہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ جب میری نظر مولوی عبدالکریم صاحب کی جگہ پر پڑتی ہے تو دل گھٹنے لگتا ہے مگر کئی ایسے ہوں گے جن پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا ہوگا۔ اب اگر کوئی کہے کہ دیکھیں مَیں کتنا صابر ہوں کہ اسی جگہ روز بیٹھتا ہوں اور حضرت مسیح موعودؑ صابر نہیں ہیں کیونکہ آپ نہیں بیٹھتے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ ہم اسے سنگدل کہہ سکتے ہیں صابر نہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نواسہ بہت سخت بیمار تھا اور آپ خود بھی بیمار تھے اسے دیکھنے کے لئے گئے تو نزع کی حالت تھی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے ایک صحابی پاس کھڑے تھے۔ کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے تمہاری طرح مجھے سنگدل نہیں بنایا۔ وہ صحابی بھی نیک تھے مگر ان کے دل میں ابھی سختی تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ زیادہ صابر تھے بلکہ یہ ہیں کہ ان کے دل میں اتنی خشیت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پس قربانیوں کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ثواب کا درجہ احساس سے ہے۔ جُوں جُوں احساس کم ہوتا جائے گا۔ اتنا ہی قربانی زیادہ کرنے کی ضرورت پیدا ہوتی جائے گی۔ اس لئے مومن کو ہمیشہ قربانیوں میں ترقی کرنی چاہیئے۔ اور دوسرے کے درد کو محسوس کرنا چاہیئے۔ ایک شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھتا ہے مگر درد محسوس نہیں کرتا تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے احساسات سخت ہیں۔

جنوری کے مہینہ میں بہار میں زلزلہ آیا ہے[۱۹] اس نے لاکھوں کو تباہ کردیا ہے اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ہماری جماعت نے اپنے مقام کے لحاظ سے ان مصیبت زدگان کے لئے وہ قربانی نہیں کی جو کرنی چاہیئے تھی۔ مَیں نے اس کے لئے تحریک کی[۲۰] مگر دو ہزار سے زیادہ چندہ نہ آیا حالانکہ جماعت لاکھوں کی ہے۔ اس زلزلہ سے جو تباہی آئی وہ بہت سخت ہے اور اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک زبردست نشان ظاہر ہوا ہے[۲۱]۔ ۲۰-۲۵ ہزار جانیں ضائع ہوچکی ہیں مگر میری تحریک کا بہت کم اثر ہوا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حس بہت کم

لوگوں میں سے باقیوں نے یا تو توجہ نہیں کی یا کی ہے تو بہت قلیل۔ حالانکہ قربانی وہی ہے جو نفس کو دکھ میں ڈالتی ہے اور اس کے متعلق ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ عادت سے آگے بڑھ کر کی جائے اور جب قربانی کرتے ہوئے کوئی احساس ہی نہ ہو تو انسان سمجھ لے کہ اس کا قدم تنزّل کی طرف جا رہا ہے۔ پس اس عید سے جو قربانی کی عید ہے۔ ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ قربانی کی قیمت احساس کے مطابق ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احساسات بہت زیادہ تھے اس لئے اگرچہ بظاہر ان کی قربانی بہت کم نظر آتی ہے۔ مگر خدا کے ہاں وہ بہت زیادہ ہے جس کا دل پہلے ہی انگاروں پر لوٹ رہا ہو اس کا اپنے بچہ کو ذبح کر دینا کوئی معمولی قربانی نہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ ترقی کا گر یہی ہے کہ جب قربانی کی حِس کم ہو جائے تو اسے بڑھایا جائے۔ اور کوئی ایسی قربانی نہیں جسے کرتے کرتے انسان کو عادت نہ ہو جائے۔ اس لئے مومن کو ہر قدم سے آگے بڑھنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس کی راہ میں سچی قربانیاں کر سکیں اور ایسے رنگ میں کر سکیں کہ ابراہیمی فضل کو جذب کرنے والے بن جائیں۔

خطبہ ثانیہ میں فرمایا۔

عید الفطر کے موقعہ پر میں نے تحریک کی تھی کہ عید اضحیٰ کے موقعہ پر احباب اپنی قربانیوں میں سے گوشت کا ایک حصہ مشترکہ انتظام میں غرباء کو تقسیم کرنے کے لئے دے دیں تا وہ گوشت چند احباب کے گھروں میں ہی چکر نہ کھاتا رہے اور غرباء و مستحقین کو بھی میسر آسکے۔ مجھے امید ہے کہ دوست اس پر عمل کریں گے۔ کوشش کی جائے کہ سب قربانیاں آج ہی ہو جائیں۔ اور اپنے کھانے اور اعزّہ کو تقسیم کرنے کے لئے جتنا ضروری ہو، اتنا گوشت رکھکر باقی مشترکہ انتظام میں دے دیا جائے[۵۲] مثلاً ہمارے ہاں نو۹ قربانیاں ہوں گی۔ اور میں نے کہہ دیا ہے کہ ان میں سے تین اپنے کھانے اور رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کے لئے رکھکر باقی سب اسی انتظام میں دیدی جائیں۔ میرے رشتہ دار خدا کے فضل سے زیادہ ہیں۔ پانچ تو سسرال ہی ہیں۔ پھر ان کے بھی کئی کئی رشتہ دار ہیں۔ لیکن جن کے رشتہ دار کم ہوں وہ زیادہ دے سکتے ہیں اور اس طرح مواخاتِ سلسلہ کو کم سے کم عید کے روز ہی عمدہ طریق پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

(الفضل ۳ر اپریل ۱۹۳۴ء صـ۷ تا ۹)

---

[۵۱] ۔ روحانی خزائن (خطبہ الہامیہ) جلد ۱۶ صـ۳۳

[۵۲] ۔ مجمع بحار الانوار جلد ۳ صـ۱۳ ۔ خیر المجالس مرتبہ حمید شاعر القلندری ناشر دارالعلوم کراچی ...

۵۳ - النساء ۴ : ۵۷

۵۴ - حکیم مولوی غلام محمد صاحب (وفات ۲۲ فروری ۱۹۲۶ء)

۵۵ - خان عبدالاحد خان صاحب افغان درویش قادیان (وفات ۳ اگست ۱۹۶۸ء) افغانستان سے اوائل عمر میں ہجرت کرکے قادیان آگئے۔ خلافت اولیٰ میں احمدی ہوئے اور پھر عرصہ دراز تک نہایت اخلاص سے حفاظتی خدمات انجام دیتے رہے۔

۵۶ - صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع

۵۷ - الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۳ تا ۱۰۸ - ابراہیم ۱۴ : ۳۸

۵۸ "ویدوں کی قربانیاں اور چڑھاوے" ص۸ مطبوعہ لدھیانہ مشن پریس ۱۹۰۳ء - انسائیکلوپیڈیا ریلیجس اینڈ ایتھکس ۳۵/۱۲ ، ۶۱۱/۱۲

۵۹ - انسائیکلوپیڈیا ریلیجس اینڈ ایتھکس ۳۵/۱۲

۶۰ - التوبۃ ۹ : ۱۱۴

۶۱ - حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ (وفات ۱۳ جون ۱۹۴۷ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم خدام اور اصحاب میں سے تھے۔ علم وفضل، زہد واتقاء اور صدق ووفا میں بے نظیر وجود تھے وقتاً فوقتاً کئی اہم انتظامی فرائض کے علاوہ مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بلند مقام پر فائز رہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں "اصحاب احمد" مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ جلد ۵ حصہ اوّل تا سوم)

۶۲ -

۶۳ - سیرۃ المہدی حصہ دوم ص۷۸ مطبوعہ دسمبر ۱۹۲۷ء

۶۴ - نزہۃ المجالس مصنفہ شیخ عبدالرحمٰن الصفوری جلد ۲ ص۱۵۳

۶۵ - حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی (۱۸۵۸ - ۱۹۰۵ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم خدام اور اصحاب میں سے تھے۔ آپ کی وفات پر مسیح پاک علیہ السلام نے لکھا: "وہ دینِ اسلام کا حامی تھا اور جس کا خدا نے لیڈر نام رکھا تھا۔ وہ خدائی اسرار کا عارف تھا اور دینِ متین کا خزانہ۔"

۶۶ - رسالہ "جامعہ احمدیہ" سالنامہ ۱۹۳۰ء ص۳۰ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۳ ص۲۱۵

۶۷ - صحیح بخاری کتاب المرضٰی باب عیادۃ المریض

۶۸ - یہ ہیبت ناک زلزلہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو شمالی بہار اور اس کے گردونواح میں آیا۔ جس سے ہزاروں جانوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اور لاکھوں افراد بے خانماں و برباد ہوگئے۔

۶۹ - سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ جمعہ ۲/۲/۳۴ مندرجہ الفضل ۸/۲/۳۴ میں زلزلہ سے متاثر ہونے والوں کی امداد کے لئے چندہ کی اپیل کی۔

۲۰ - اس زلزلہ کے بپا ہونے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا وہ نشان ظاہر ہوا۔ جو آپ نے حقیقۃ الوحی ص ۲۵۶ پر الہاماً درج فرمایا ہے۔

۲۱ - حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں ایک خاص انتظام کے ماتحت قربانی کے گوشت کا ایک حصہ ہر محلہ میں ایک جگہ جمع کیا گیا۔ اور یہ ان لوگوں کے گھروں میں افراد کے لحاظ سے پہنچایا گیا۔ جو قربانی نہ دے سکے۔ اور اس طرح قادیان میں کوئی ایسا گھر نہ رہا۔ جہاں قربانی کا گوشت نہ پہنچا ہو۔
(الفضل، ۲۰ر مارچ ۱۹۳۴ء)